Tarseel, Vol.17 (ISSN: 0975-6655)
A Peer Reviewed Research Journal of Urdu
Listed in UGC-CARE
Directorate of Distance education,

University of Kashmir

# کلام اقبال پر فارسی شعراء کے اثرات

ڈاکٹر شاہ نواز شاہ

## تلخیص

برصغیر ہند و پاک کے عظیم المرتبت شعراء میں علاّمہ اقبال کا مقام ایک درخشان ستارے کی مانند ہے اس کے ساتھ ساتھ فارسی ادب کی دنیا خاص طور پر ایرانیوں میں بھی ان کا ایک خاص اور منفرد مقام ہے۔ علاّمہ اقبال انسانیت کے غمخوار تھے یہی وجہ کہ آپ نے انسانیت کی بہبودی اور انسانیت کی بقا کی خاطر بے شمار خواب اپنے ضمیر میں سجائے رکھے تھے جو وقتاً فوقتاً آپ نے اپنی زندگی کے مختلف مراحل پر انسانیت کو بطور ھدیہ پیش کئے ہیں ان خوابوں میں سب سے پہلا خواب مسلم معاشرے کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا تھا۔ ان کی شخصیت ایک ایسے ستارے کی مانند ہے جس میں آسمان کی فضا اور حالات نے مذہبی سوچ کو روشن کیا۔ اقبال کی شاعری کے بارے میں دو نکات اہم ہیں: پہلا فارسی زبان سے محبت اور دوسرا اسلام سے محبت۔ اپنی فارسی اور اُردو نظموں میں وہ حکیم سنائی، شیخ محمود شبستری، حکیم ناصر خسروؔ، شیخ سعدیؔ، حافظ شیرازی اور مولانا جلال الدین رومی جیسے عظیم المرتبت فارسی شاعروں سے بے حد متأثر تھے اور ان کی بعض نظموں کو ہو بہو علاّمہ اقبال نے اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ اس مختصر مضمون میں راقم نے کلام اقبال پر چند فارسی شعراء

کے اثرات کا ایک مختصر جائیزہ لینے کی کوشش پیش کی ہے۔

**کلیدی الفاظ:**

علاّمہ اقبال، فارسی اشعار، تأثیر، عشق، مولانا رومی، ناصر خسرؔو

علاّمہ اقبال عالم اسلام اور برصغیر ہندو پاک کی برجستہ شخصیات کی ایک اہم اور باکمال کڑی ہے۔ اگر ہم صرف یہ کہہ دیں کہ اقبال ایک فلسفی، ایک عالم اور ایک سیاسی مفکّر تھے تو یہ ان کی ذات وصفات کے ساتھ انصاف نہیں ہے کیونکہ اس مخلص محسن کی زندگی کے دیگر پہلو بھی بہت ہی روشن اور متوّر رتھے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اقبال فلسفی تھا یا سائینسدان تھا یا بس یہ کہیں کہ اقبال ایک بہت بڑا شاعر تھا تو یہ جان لینا چاہئے کہ ہم نے اقبال کی عظمت کو گھٹا دیا ہے۔ بلاشبہ اقبال ایک عظیم شاعر تھے اور برصغیر ہندو پاک کے ساتھ ساتھ فارسی ادب کی دنیا اور اعلیٰ دانشمند طبقوں میں ان کا مقام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ لہٰذا اقبال کے کردار کی اہمیت صرف ان کی شاعری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی شاعرانہ خصوصیت جب ان کی دیگر خصوصیات کے ساتھ مل جاتی ہیں تو اسے ایک لازوال شخصیت بنا دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ ذکر ہوا، کہ اقبال ایک فلسفی بھی تھے، سیاست دان بھی تھے، آزادی پسند بھی تھے، عالم بھی تھے اور ساتھ ساتھ میں ایک عظیم شاعر بھی تھے، تو یہی وہ چیزیں ہیں اور یہی وہ صفات ہیں جو اقبال کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔ علاّمہ اقبال وہ انمول اور لامثال شاعر ہے جس نے اپنے مؤثر اور پُرکشش نظموں سے دنیا کو بدل دیا اور اپنے مخلص اور زندہ افکار سے مشرق میں زندگی کی نئی لہر کا آغاز کیا۔

علاّمہ اقبال کو فارسی زبان سے بے انتہا لگاو تھا کیونکہ یہ زبان بزرگوں اور اسلاف کی زبان رہی ہے یہی وہ زبان ہے جس کی بدولت خصوصاً برصغیر میں علماء، فضلاء، دانشوروں، صوفیوں اور شعراء نے مذہب، معاشرے اور قوموں کا اصلاح کیا ہے۔ علاّمہ نے بھی انہی برگزیدہ اور برجستہ شخصیات کی طرح اپنے انمول پیغام رسانی کی خاطر اسی زبان کا سہارا لیا ہے۔ چنانچہ اپنی بہت ساری نظمیں جن میں نسلوں کے لئے ایک خاص قسم کا انمول پیغام ہے اپنے متقدمین فارسی شعراء کی تضمین میں لکھی گئی ہیں۔ جن شعراء میں خاص طور پر رومی، بیدل، حکیم ناصر خسرؔو، مولانا جامی، شیخ سعدؔی، صائب، کلیم، ملک قمی، خاقانی، ملاّ عرشی، رضی دانش، فیضی، عرفؔی اور دیگر نامور شعراء بھی قابلِ ذکر ہیں۔

علاّمہ اقبال نے اگرچہ اُردو زبان سے شاعری کا آغاز کیا لیکن انہیں جلد ہی وسعتِ نظری کی برکت کی بدولت یہ احساس ہوا کہ خالقِ حقیقی نے انہیں جو افکار، درد، امّت کی غمخواری، جوش وولولہ، جذبہ اور اخلاص کی جو نعمت عطا کی ہے اس کو صرف یہ زبان

اُردو مہنگے اور سخت ایوانوں تک پہنچانا کافی نہیں ہے بلکہ انہیں اس کے لئے ایک وسیع اُفق تلاش کرنا چاہئے لہٰذا اُردو زبان کے ساتھ ساتھ علاّمہ اقبال نے اپنے شعلہ بیان جذبات اور اپنا مخلصانہ پیغام خالق کے درماندہ بندوں تک پہنچانے کے لئے فارسی زبان کا بھی انتخاب کیا۔ چنانچہ انہوں خود اس بارے میں فرمایا ہے کہ ؎

هندیم از پارسی بیگانه ام ماهِ نو باشم تهیِ پیمانه ام
حسن اندازِ بیان از من مجو خوانسارو اصفهان از من مجو
گرچه هندی درعذوبت شکراست طرزِ گفتارِ دری شیرین تراست

علاّمہ اقبال نے اپنی بہت سی نظموں میں مسلمانوں اور اہل مشرق کو مغرب کے طرز کے خلاف اور خاص طور پر اپنی طرف اور اپنی ثقافت کی طرف لوٹنے کی دعوت دی ہے۔ اقبال سرزمینِ ایران اور فارسی زبان سے بہت محبت کرتے تھے اگر چہ سرزمین ایران علاّمہ کی جائے پیدائش نہیں ہے اور نہ ہی فارسی زبان انکی مادری زبان ہے اور نہ ہی انکو اس ملک میں ایک بار قدم رکھنا بھی نصیب ہوا لیکن پھر بھی سرزمین ایران کے ساتھ ایک خاص رشتہ تھا جو غالبًا اسلامی تہذیب وثقافت اور علمائے اسلام کی نسبت سے تھا چونکہ سرزمینِ ایران اہلِ علم حضرات کی قرارگاہ رہی ہے ان میں سے بیشتر حضرات صوفیاء یا فارسی شعراء کی صورت میں علاّمہ اقبال کے زیرِ مطالعہ رہے ہیں اور فارسی زبان ان صوفیاء اور شعراء کی گفتاری اور نوشتاری زبان رہی ہے۔ ان صوفیاء اور شعراء کے کلام کا جب بغور مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان برگزیدہ حضرات نے جن موضوعات پر اپنا کلام اور اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے علاّمہ اقبال نے بھی اپنے اندازے اور اپنے طرز کے طور پر انہی مضامین اور موضوعات کو پیغام کی صورت میں عوام النّاس تک پہچانے کی بے دریغ کوشش کی ہے۔ علاّمہ اقبال نے اپنے اشعار میں کئی بار اہلِ ایران سے خطاب کیا اور اس طرح اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا علاّمہ اقبال کی ایران اور ایرانیوں سے محبت قابلِ تعریف ہے وہ ہمیشہ ایرانی مظاہر، ایرانی شہروں، ایرانی سائنسدانوں، ایرانی علماء اور ایرانی شاعروں کو عزت وحرمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں:

خوش بیا ای نکته سنج خاوری ای که می زیبد تورا حرفِ دری
محرمِ رازیم با ما راز گوی آنچه می دانی زایران باز گوی

علاّمہ اقبال نے اپنی ایک تصنیف کا نام ''زبورِ عجم'' رکھا ہے جس کا مطلب ''ایران کی کتاب یا ایران کی تحریریں'' ہے۔ اور اسے واقعی ایران یا ایرانیوں کی کتاب کہنا چاہئے۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک خاص شوق اور ایک خاص اور منفرد جذبے کے ساتھ

ایرانی نوجوانوں کو خطاب کیا ہے اور علاّ مہ اقبال کو اس بات پر فخر ہے کہ انہوں نے اپنی بہت ساری نظمیں فارسی زبان میں قلمبند کی ہیں کیونکہ فارسی زبان ایک پُر بار اور غنی زبان ہے۔ چنانچہ اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

چون چراغ لالہ سوزم درخیابانِ شما
ای جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما
غوطہ ہا زد در ضمیر زندگی اندیشہ ام
تابدست آوردہ ام افکارِ پنہان شما
مہر و مہ دیدم نگاہم برتر از پروین گذشت
ریختم طرح حرم در کافرستان شما
تاسنانش تیز تر گردد فرو پیچیدمش

علاّ مہ اقبال کو نہ صرف فارسی زبان کے ہر چھوٹے بڑے شاعر کا کم وبیش تعارف تھا بلکہ وہ ان کے شعری مضامین سے بھی بھرپور واقف تھے اور فارسی شاعری کی روایات، روش، اسالیب، خصوصیات اور جمالیاتی کیفیات پر بھی آپ کو گہری نظر تھی۔ انہوں نے فارسی شاعری میں ہیئت اور تکنیک کے چند اہم تجربوں کو بھی عوام الناّس کو پیش کئے ہیں اور ان کے یہ تجربے تخلیقی، جمالیاتی، فنی اور ایک بصیرت افروز شعور کی روشن دلیل ہیں۔

اقبال تمام ایرانی مظاہر اور تمام ایرانی شاعروں سے محبت کرتا ہے اور اپنے آپ کو انکی روحانیت کی روشنی میں مدہوش تصوّر کرتا ہے اور اپنے آپ کو پیرِ روم کے وجود کی شمع سے جلی ہوئی تتلی تصوّر کرتا ہے اور اپنے وجود کو سمندر میں بسی ہوئی لہر تصوّر کرتا ہے جو مولانا رومی کی شخصیت کے دریاء میں مسکن گزیدہ ہے۔

باز بر خوانم ز فیض پیرروم — دفترِ سربستہ اسرارِ علوم
پیر رومی خاک را اسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
ذرّہ از خاکِ بیابان رخت بست — تا شعاعِ آفتاب آرد بہ دست

یہ بات اظہر من الشمّس ہے کہ علاّ مہ اقبال ایک عظیم مفکر بھی تھے اور ایک عظیم شاعر بھی۔ علاّ مہ اقبال کو اپنی شاعرانہ عظمت کی نہ کوئی فکر تھی اور نہ ہی کوئی دلچسپی۔ بلکہ ان کو اس بات کا گلہ تھا کہ لوگوں نے انہیں صرف ایک غزل خواں سمجھا۔ حالانکہ علاّ مہ اقبال کی

ذات آنے والے نسلوں کے لئے اور آنے والے قافلوں کے لئے طائر پیش رس تھے۔ انہوں نے قوموں اور ملّتوں کو نوید بہار دی۔ اقبال نے قوم وملّت کے اتنے غمخوار تھے کہ انہوں نے قوم وملّت کے مردہ رگوں میں زندگی کی حرارت پیدا کی اور مولانا رومی کی طرح زندگی کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور زندگی کے اسرار ورموز کی گرہیں کھول کر زندگی کی مضمر حقیقتوں سے لوگوں کو آشنا کیا۔ اقبال وہی دانائے راز ہے جس نے اپنے پائدار، جاندار اور حیات بخش فلسفے کی وجہ سے اپنی بھٹکی ہوئی، راہ گُم کردہ اور شکست خوردہ قوم وملّت کو ایک حقیقی، پائدار اور خوبصورت زندگی کا پیغام دیا ہے اور ایک نئے عمدہ اور منظّم نصب العین سے قوم وملّت کو آشنا کیا جس میں ایک منظّم ضابطۂ حیات اور سودمند مستقبل کی رہبری بھی موجود ہے۔ اقبال کے کلام میں فکر فلک پیما کے ساتھ ساتھ جذبے کی حرارت بھی موجود ہے اور شعورِ حسن کی دولتِ بیکراں بھی۔

علّامہ اقبال نے فارسی کے جن ممتاز شعراء کا اثر قبول کیا ہے ان کے اور علّامہ اقبال کے کلام کے مشترک فکری رجحانات اور فنی خصوصیات کا ایک ہی مقصد اور محاصل نظر آتا ہے۔ مثلاً فلسفۂ زندگی کی جو فکر مولانا رومی کے یہاں نظر آتی ہے وہی فکر علّامہ اقبال کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ علّامہ اقبال کے فلسفۂ زندگی پر فکر رومی کے گہرے اثرات ہیں۔ علّامہ اقبال کا چند پہلوؤں پر حافظؔ شیرازی کے ساتھ اختلاف رہا ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی علّامہ اقبال حافظؔ شیرازی کے ساحرانہ فن کے دلدادہ بھی تھے اور ساتھ ساتھ میں مقلّد بھی۔ اقبال کی غزلیات کا جب بغور مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات کُھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال نے اس وقت کے رائج سبک ''سبکِ ہندی'' کو نہیں اپنایا بلکہ انہوں نے حافظؔ شیرازی کے رنگ اور طرز پر اپنی غزلیں پیش کیں۔ اسی طرح دیگر اصنافِ سخن مثلاً مثنوی میں مولانا رومی اور رباعی میں بابا طاہر عریان کے مقلّد نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ علّامہ اقبال نے اپنی نظموں کو مختلف موضوعات سے مزیّن کیا ہے اور ان میں سے اکثر موضوعات میں وہ فارسی زبان کے ممتاز شعراء سے متأثر ہے بلکہ بعض فارسی شعراء کو انہوں نے استاد کا درجہ دیا ہے اس بات کی نشاندہی علّامہ نے خود اپنی تصانیف میں کی ہے۔ جسکا ایک مختصر سا خلاصہ یوں ہے۔

**رومی اور اقبال**

واضح رہے کہ علّامہ اقبال نے اپنی نظموں میں کئی مقامات پر ''مرشد'' یعنی مولانا رومی کا بڑے خلوص، محبت اور احترام سے نام لیا ہے۔ شعر وادب کے دائیرے میں مولانا جلال الدین رومی اور علّامہ محمّد اقبال فلسفۂ خوش بینی کے دو مشہور اور انقلابی پرچمدار مانے جاسکتے ہیں اور اقبال کی فارسی زبان اور اُردو زبان میں مولانا رومی کا تذکرہ تسلسل کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جب ہم

ان دونوں کے کلام کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی تخلیقات میں نہ صرف شاعری کے اسلوب میں بلکہ شعری موضوعات میں بھی مکمّل مماثلت نظر آتی ہے۔ اقبال کی عقیدت ایسی رہی ہے کہ انہوں نے مولانا رومی کی شخصیت میں اپنی شخصیت کو مٹا دیا تھا اور اقبال کی مولانا رومی کی طرفداری کوئی اندھی تقلید نہیں تھی بلکہ یہ ایک مخلص عاشق، ایک مخلص خادم، روشن خیال مفکّر، ایک منفرد عالمِ دین، حکیم اور صوفیانہ تعلیم یافتہ شخصیت کا اثر تھا۔ دونوں برگزیدہ اور برجستہ شاعر ایک اعلیٰ پایہ کے مفکّر تھے اور فضل کا سرچشمہ ان دونوں کے لئے الٰہی الہام تھا۔ اقبال کے افکار پر رومی کا اثر بہت ہی وسیع ہے اقبال مولانا رومی کی مثنوی معنوی کو پہلوی زبان میں قرآن اور رومی کو ایک لہروں والا کھر دراسمندر اور اپنے آپ کو اس سمندر کی موج سمجھتے ہیں اور معرفت کے چمکتے ہوئے موتی کو اس دریا میں ڈھونڈتا والا سمجھتا ہے اور خود کو اس سمندر کے شراب میں مست و مدہوش تصوّر کرتا ہے اور اقبال، مولانا رومی کی مسیحی سانسوں سے تازہ زندگی پاتا ہے۔ چنانچہ علاّمہ فرماتے ہیں:

رومی خود بنمود پیرِ حق سرشت　　　کاو بہ حرفِ پہلوی قرآن نوشت ۶

ایک اور جگہ کچھ اسطرح اشارہ کیا ہے:

موجم و در بحرِ او منزل کنم　　　تا دُرِّ تابندہ ای حاصل کنم
من کہ مستی ہا ز صہبایش کنم　　　زندگانی از نفسہایش کنم
۷

اقبال اپنے عہد اور رومی کے دور میں مختلف زاویوں سے مماثلت تلاش کرتا ہے چنانچہ مولانا رومی کے دور میں لوگ منگولوں کے خوف سے مقہور، بے جرأت اور ذہنی پریشانیوں میں مبتلا ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں ان کی اخلاقی اور روحانی خوبیاں زوال پذیر ہو جاتی تھیں۔ منگولوں کے حملوں سے مشرق کے سیاسی طاقت کو تباہ کر دیا تھا۔ آج بھی ضرورت سے زیادہ عقلیت پسندی اور مغربی ٹیکنالوجی سے عالم اسلام پر مختلف طریقوں سے حملہ کیا جاتا ہے۔ اس خطرے کو سمجھتے ہوئے اقبال نے رومی کی طرح اس کے خلاف کھڑے ہونے کو اپنا مشن سمجھا۔ حالانکہ یہ خیال اقبال کی تخلیقات کے مرکزی موضوعات میں سے ایک ہے اور مثنوی ''پس چہ باید کرد''، ''گلشنِ راز جدید'' اور ''بندگینامہ'' مولانا رومی کی اسی فکر کی پیروی میں لکھی گئی ہیں اس لئے اقبال اپنے آپ کو وہی کردار سمجھتے ہیں جو سات سو سال پہلے مولانا رومی نے ادا کیا تھا۔ چنانچہ اشارہ ہے:

چون رومی درحرم دادم اذان من　　　ز او آموختم اسرار جانِ من

بہ دور فتنہ عصرِ کہن، او بہ دورفتنہ عصر روان، من

۸

مثنوی ''پس چہ باید کرد'' کے آغاز میں اقبال فرماتے ہیں:

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق کہ در حرم خطری از بغاوتِ خرداست

زمانہ ہیچ نداند حقیقتِ اورا جنونِ قباست کہ موزون بہ قامتِ خرداست ۹

اقبال نے مولانا رومی سے سیکھا کہ انسانی معاشرہ محبت کے بغیر متحرک نہیں ہوتا ہے اور یہی وہ محبت ہے جسے اقبال اپنی کتاب ''The Reconstruction of Religious Thought in Islam'' میں ''زندگی کا راستہ'' کہتے ہیں وہ راستہ جو دنیا پر قبضے اور فتح کی طرف لے جاتا ہے اور قرآن میں اسے ''ایمان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ایک اور نکتہ یہ ہے کہ ایک صحیح انسان کو مسلسل انسانی نظریات کی تلاش کرنی چاہئے متحرک ہونا اور سعی بے دریغ کرنا اس کی اہم سرخیاں ہیں۔اقبال کا تصوّرِ فقر، تصوّرِ مردِ مؤمن، تصوّرِ عشق، تصوّرِ عمل اور تصوّرِ تقدیر مولانا رومی کے تصوّرِ متصوّفانہ سے بے حد متأثر تھا۔چنانچہ اقبال بھی مولانا رومی کی طرح ایک کامل انسان کے منتظر تھے اس لئے اقبال نے مثنوی ''اسرارِخودی'' کا آغاز رومی کے ان مشہور اشعار سے کیا ہے۔

دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر کز دیو ودد ملولم وانسانم آرزوست

زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت شیرِ خدا و رستم دستانم آرزوست ۱۰

اقبال اپنے آپ کو خُمِ عرفان اور مولانا رومی کے عشق کا بادہ نوش تصوّر کرتا ہے اور اہلِ معرفت کو اس کے خُمِ عرفان سے شرابِ سخن کا مزہ چکھاتا ہے اور اسطرح فرماتے ہیں:

بیا کہ می ز خُمِ پیرِ روم آوردم می سخن کہ جوان تر ز بادۂ عنبی است ۱۱

دراصل مولانا رومی اور علّامہ اقبال دونوں کے عہد میں اس خاص قسم کی مماثلت پائی جاتی ہیں۔دونوں اسلامی فلسفے کے ماہر تھے اور دونوں اسلامی دنیا کی بڑی اہم اور قد آور شخصیات تھیں، دونوں نے اپنے اپنے عہد کے لوگوں کو فلاح و بہبود، کامیابی و کامرانی، حال و مستقبل والی سودمند و پائدار زندگی کا نہ صرف حوصلہ دیا بلکہ رہبری بھی کی کیونکہ دونوں کے کلام میں آفاقی پیغام موجود ہے اور ان کے کلام میں عوام النّاس اور خاصطور پر ملّتِ اسلامیہ کے لئے اخوّت، مساوات، اتحاد و اتفاق اور انسانیت کا پیغام

ہے۔ چنانچہ علاّ مہ اقبال فرماتے ہیں:

نغمہ کجاو من کجا سازِ سخن بہانہ ایست  سوی قطار می کشم ناقۂ بی زمام را  ۱۲

اقبال کو اپنے مرشد معنوی کے فلسفے سے کئی اشکالات اور کئی الجھنوں کا حل مل گیا اور گو ہر معنیٰ تک بآسانی رسائی نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مرشد رومی نے زندگی کے مختلف رازوں سے اقبال کے لئے پردہ اٹھایا اور روحانی مسائل کا اقبال کے لئے آسان کر دیا تو یہ اقبال کے لئے شہرت دوام کا ایک اہم اور حقیقی سبب بنا۔ علاّ مہ اقبال اس کا اعتراف خود اپنے کلام کے ذریعے یوں کرتا ہے:

نغمہ می باید جنون پروردہ ای  آتشی درخونِ دل حل کردہ ای

از نم او شعلہ پروردن توان  خامشی را جزو او کردن توان

می شناسی؟ در سرود است آن مقام  ''کاندرو بی حرف می روید کلام'' ۱۳

مولانا رومی اور علاّ مہ اقبال دونوں کا ایک اور مشترکہ مشن تھا جس کا دونوں کی زندگیوں میں بہت ہی عمل دخل تھا اور وہ تھا عشق مصطفیٰ ﷺ۔ دونوں کے دل وضمیر میں یہ عنصر سرایت کر چکا تھا اور اسی چیز نے ان دونوں کے اندر ایک لامثال جذبہ پیدا کیا تھا جس جذبے نے اس عشق کو پیغام کے طور پر فرد فرد تک پہنچایا اور باضابطہ طور پر اس کی تلقین و تربیت بھی فرمائی۔ مولانا رومی نے اسطرح کا کاروان صدیوں پہلے منظّم کیا اور صدیوں بعد علاّ مہ اقبال بھی اسی کاروان میں شریک ہو گیا اور رفتہ رفتہ مولانا رومی کی طرح اقبال بھی امیرِ کاروان کے مقام تک جا پہنچا۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں:

عشق آن شعلہ است کہ چون بر فروخت  ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت  ۱۴

مرشدِ معنوی کے اس مشن (عشق نبوی ﷺ) کو اقبال نے بھی اسی جذبے اور جانفشانی کے ساتھ نہ صرف تسلیم کیا بلکہ آگے لے جانے میں دل و جان اور بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ مخلصانہ سعی کرتے ہوئے اپنی آخری سانس تک کوئی کسی باقی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ علاّ مہ اقبال فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر  وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ  ۱۵

اسی طرح علاّ مہ اقبال دوسرے معاملات میں اپنے مرشد سے بے حد متأثر تھے۔ یہاں ہر بات پر بحث ممکن نہیں ہے۔

**سعدی اور اقبال**

علاّمہ اقبال شیخ سعدی کی ذات اور کلام سے بھی بہت متاثر تھے انہوں نے سعدی کے شعری اسلوب میں بہت سی نظمیں قلمبند کی ہیں اور اقبال نے ان نظموں کے کچھ الفاظ بدل کر انہیں اپنی تخلیقات میں شامل کیا ہے اور سعدی کی بعض اشعار کی ترکیبیں بھی استعمال کی ہیں۔مثال کے طور پر شیخ سعدی نے کتاب ''بوستان'' میں لکھا ہے:

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ ۱۶

اقبال نے مذکورہ بالا بیت کے طرز پر یوں اشارہ کیا ہے:

تا توانی گردن از حکمش مپیچ — تا نپیچد گردن از حکم تو ہیچ ۱۷

شیخ سعدیؔ انسانی بھائی چارے کے علمبردار اور سماجی انصاف کے مبشر بھی تھے وہ بجا طور پر ان دونوں کو انسانیت کے تصوّر کی صحیح تفہیم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا ضروری اور لائق ہے کہ انسانی تصوّر اور احترام انسانیت کا تصوّر شیخ سعدی کی تصانیف میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے اور خاص طور پر ان کی لکھی ہوئی مشہور نظم میں جیسے کہ ایک آسمانی قاصد یا رسول نے لکھا ہے یہ موضوع بالکل واضح ہے:

بنی آدم اعضای یکدیگرند — کہ در آفرینش ز یک گوہرند
چو عضوی بہ درد آورد روزگار — دگر عضوھا را نماند قرار
تو کز محنت دیگران بی غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی ۱۸

علاّمہ اقبال بھی انسانیت کے غمخوار تھے اور انسانیت سے بے انتہا محبت کرتے تھے جب ان کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے اپنی بیشتر نظموں اور مختلف اشعار میں انسانیت کی آواز کو بلند کیا۔ چنانچہ اقبال کے نزدیک کامل فقیر وہ ہے جو خدا کی مخلوق پر ظلم نہ کرے اور لوگوں کا بوجھ اور الزام اٹھائے۔جیسا کہ فرماتے ہیں کہ

آدمیت احترامِ آدمی — با خبر شو از مقام آدمی
آدمی از ربط و ضبط تن بہ تن — بر طریقِ دوستی گامی بزن
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق — می شود بر کافر و مؤمن شفیق ۱۹
برتر از گردون از مقام آدم است — اصل تہذیب احترامِ آدم است ۲۰

شیخ سعدیؔ نے اپنی کتاب ''بوستان'' میں مندرجہ ذیل بیت کو درج کیا ہے:

ہر کہ با پولادِ باز و پنجہ کرد　　ساعدِ سیمینِ خود را رنجہ کرد　۲۱

اسی وزن اور اسی زمین پر علاّمہ اقبال نے مندرجہ ذیل شعر کو اپنے نام کیا ہے۔

میش نتواند بہ زور از شیر رست　　سیمِ ساعدِ ما، وا و پولادِ دست　۲۲

شیخ سعدؔی نے معاشرتی اخلاقیات کو اس قدر اہم سمجھا کہ اس نے تسلیم کیا کہ جتنی نیکیاں کی جائیں گی اتنی ہی خوشی ملے گی اور یقیناً ''جو شخص استطاعت کے وقت نیکی نہیں کرتا ہے تو جب وہ عاجز ہوتا ہے تو اسے مشکل پیش آتی ہے'' سعدؔی کے نقطہ نظر سے احسان اور نیکی کی اہمیت کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے نزدیک موت کا اژدہا کبھی برے لوگوں کو نہیں پکڑ سکتا بلکہ اس میں صرف ان لوگوں کو نگلنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو نیکی سے گریز کرتے ہیں:

سعدیا مرد نکو نام نمیرد ہرگز　　مردہ آن است کہ نامش بہ نکوئی نبرند　۲۳

یوں کہنا چاہئے کہ سعدی کی سوچ میں ایسا عقیدہ چھا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ شاعر بن گئے اور گنگنانے لگے۔

چو انسان را نباشد فضل و احسان　　چہ فرق از آدمی تا نقش دیوار　۲۴

اقبال آج کے انسان میں چھپی انسانیت کو ظاہر کرانا چاہتے تھے اور سوئے ہوئے انسان کو جگانا چاہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

مثلِ حیوان خوردن، آسودن چہ سود　　گر بخود محکم نہ بودن چہ سود　۲۵

## حکیم ناصر خسرو اور اقبال

حکیم ناصر خسرو پانچویں صدی کے اوّلین فلسفیوں اور شاعروں میں سے ایک برجستہ اور نامور شخصیت ہے جنہوں نے اپنے اشعار میں ''خود شناسی'' کے موضوع کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور انسان کے مقصد اور روحانی اور جسمانی ضروریات پر غور کیا ہے اور اس کے اصول وضوابط پر غور کیا ہے اور انہوں نے ''خود شناسی'' کے اصول وضوابط کو قرآن کی راہنمائی کی بدولت اپنی تحریروں میں بڑی مہارت کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور ان کے (حکیم ناصر خسرو) نو صدیوں بعد علاّمہ اقبال نے اس معاملے میں اہم کام کیا ہے۔ شاعروں اور فلسفیوں دونوں کی تخلیقات پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ علاّمہ اقبال، حکیم ناصر خسرو کے افکار سے کس قدر متأثر تھے۔ اقبال نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی ملاقات روحانی دنیا میں حکیم ناصر خسرو سے ہوئی اور بعد میں اس ملاقات کے بارے میں وہ اپنی کتاب ''جاوید نامہ'' میں کہتے ہیں کہ

''نمودار می شود روح ناصر خسرؔو علوی و غزلی مستانہ سرایید ہ و غائب می شود'' ترجمہ: ناصر خسرو علوی کی روح نمودار ہوتی ہے اور

ایک مدہوش غزل لکھی جاتی ہے اور غائب ہو جاتا ہے''

اس کے بعد ناصر خسرو کے کئی اشعار اپنی تصنیف ''جاوید نامہ'' میں نقل کئے ہیں جو قلم اور تیغ کے بارے میں ہیں۔

دست را چون مرکبِ تیغ و قلم کردی مدار     ہیچ غم گر مرکب تن لنگ باشد یا عرن

از سرِ شمشیر و از نوکِ قلم زاید ہنر     ای برادر ہمچو نور از نار و نار از نارون

بی ہنر دان نزد بی دین ہم قلم وہم تیغ را     چون نباشد دین نباشد کلک وآہن راثمن

دین گرامی شد بہ دانا و بہ نادان خوار گشت     پیش نادان دین چو پیشِ گاو باشد یاسمن

ہمچو کرپاسی کہ از یک نیمہ زوالیاس را     کرتہ آید زو دگر نیمہ یہودی را کفن ۲۶

مندرجہ ذیل اشعار میں یہ بات بالکل واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ حکیم ناصر خسرو کا ذکر علاّمہ اقبال نے مولانا رومی اور حکیم سنائی کے ساتھ کیا ہے اور نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

عطا کن شورِ رومی، سوزِ خسرؔو     عطا کن صدق واخلاصِ سنائی

چنان با بندگی در ساختم من     نہ گیرم گر مرا بخشی خدایی ۲۷

اسی طرح حکیم ناصر خسرو نے اپنے ملک کے اس وقت کے سیاسی عدم استحکام کا خود مشاہدہ کیا ہے اور اس وقت کے سیاسی انتشار اور دیگر فسادات کو انہوں نے اپنے آنکھوں سے دیکھا ہے لہٰذا حکیم ناصر خسرؔو اپنے ملک کی پریشان کن صورت حال کی نشاندہی یوں کرتے ہیں:

ہمانا خشم ایزد بر خراسان     براین دونان بباریداست گردون

کہ اوباشی ہمی بی خان وبی مان     دراوامروز خان گشتند و خاتون ۲۸

علاّمہ اقبال کا زمانہ بھی سیاسی عدم استحکام کا شکار تھا انہوں نے بھی حکیم ناصر خسرؔو کی طرح اپنے زمانے کے سیاسی حالات کی بھرپور عکاسی کی ہے اور اس مضمون کو اپنے اشعار میں کچھ اسطرح پیش کیا ہے:

ہندیان با یک دیگر آویختند     فتنہ ہای کہنہ باز انگیختند

تا فرنگی قومی از مغرب زمین     ثالث آمد درنزاع کفر و دین ۲۹

حکیم ناصر خسرؔو اور علاّمہ اقبال دونوں کا قرآن پاک اور اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ رہا ہے۔ حکیم ناصر خسرؔو نے اپنی نثری کتابوں

کے ساتھ ساتھ اپنی نظموں میں بھی ''خود شناسی'' کو اپنے فلسفے کا موضوع بنایا اور اقبال نے بھی ''خودی'' کو اپنے فلسفے کا موضوع بنایا ہے۔ حکیم ناصر خسرؔو روحانی اور اخلاقی ترقی کو کمال کہتے ہیں اور اقبال اسی چیز کو ''تکمیلِ خودی'' کہتے ہیں۔ دونوں شعراء کا مقصد اور مفہوم یکساں ہے اور دونوں نے اخلاقی اور روحانی ترقی کے لئے سعیِ بے دریغ کی ہے تاکہ انسان خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائے اور اپنا اصلی اور بنیادی مقام حاصل کرے۔ اس لئے ان کی نظر میں ایمان کی نشوونما اور ترقی کے لئے ''خود شناسی'' سب سے اہم ہے کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو پہچانتا ہے تو وہ خدا کو بھی پہچانتا ہے جیسا کہ مشہور ہے ''من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ''۔ حکیم ناصر خسرؔو ''خود شناسی'' کو کائنات کے جاننے کا پہلا قدم سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ''خود شناسی'' کے بارے میں کہتے ہیں:

ندانی قدرِ خود زیرا چنینی خدا بنی اگر خود را ببینی
ترانۂ چرخ وفت اختر غلام است تو شاگرتنی حقی تمام است ۳۰

جیسا کہ ذکر ہوا ہے کہ اقبال نے جابجا اپنے کلام میں خودی کے مضمون کو اجاگر کیا ہے بلکہ خودی کے مضمون سے اقبال نے اپنے کلام کو زینت دی اور آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ چنانچہ اقبال ایک جگہ خودی کے بارے میں یوں اشارہ کرتے ہیں:

برتر از گردون مقامِ آدم است اصل تہذیب احترام آدم است ۳۱
مقامِ تو برون از روزگار است طلب کن آن یمین کو بی یسار است ۳۲
برمقام خود رسیدن زندگی است ذات را بی پردہ دیدن زندگی است ۳۳
سفر اندر حضر کردن چنین است سفر از خود بہ خود کردن ہمین است
کمالِ زندگی دیدارِ ذات است طریقش رستن از بند جہات است
چنان با ذاتِ حق خلوت گزینی ترا او بیند و اورا تو بینی ۳۴

## سنائؔی اور اقبال

حکیم سنائؔی بھی اسی کہکشاں کا ایک خوبصورت ستارہ ہے علاّمہ اقبال انکے کلام کے دیوانے تھے اور ان کو سنائؔی کا اور انکے کلام کا بے حد احترام تھا سنائؔی کی ذات کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کابل سے غزنین کے سفر کے دوران غزنین میں حکیم سنائی کے مقبرے پر حاضری دی۔ غزنی غزنویوں کا سرمائی دارالخلافہ تھا اسکے بعد انہوں نے (اقبال) شہرِ غزنی پر بھی نظمیں قلمبند کیں۔

اقبال کے شہرِ غزنی کے بارے میں چند اشعار یوں ہیں:

آن حکیم غیب، آن صاحبِ مقام ترکِ جوش، رومی از ذکرش تمام

من ز پیدا، او ز پنہان، در سرور ہر دورا سرمایہ از ذوقِ حضور

او نقاب از چہرۂ ایمان گشود فکرِ من تقدیرِ مؤمن وا نمود

ہر دو را از حکمت قرآن سبق او ز حق گوید من از مردانِ حق ۳۵

عقل اور عشق ایسے موضوعات ہیں جن کے بارے میں اکثر فارسی شعراء نے اشعار کہے ہیں۔ اقبال نے بھی عقل اور عشق جیسے موضوعات سے اپنے کلام کو زینت بخشی ہے۔ جیسے موضوعات میں علاّمہ اقبال نے کئی مقامات پر حکیم سنائؔی کی تقلید کی ہے۔ حکیم سنائؔی نے اپنی صوفیانہ نظموں میں صوفیانہ عشق کو مادی عقل پر فوقیت دے کر عروج پر پہنچا دیا ہے۔ لہٰذا حکیم سنائی کی پیروی کرتے ہوئے اقبال نے اس صوفیانہ موضوع کو یوں بیان کیا ہے:

عقل سفاک است و او سفاک تر پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

عقل در پیچاکِ اسباب و علل عشق چوگان باز میدان عمل

عشق صید از زور بازو افگند عقل مکّار است و دامی میزند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است عشق را عزم و یقین لاینفک است ۳۶

## خاقانی اور اقبال

علاّمہ اقبال، خاقانی کے کلام اور ان کی ذات سے بھی بے حد متاثر تھے۔ خاقانی کی ایک مشہور و معروف مثنوی ''تحفۃ العراقین'' ہے جس کی بدولت خاقانی کو کافی شہرت اور پذیرائی ملی ہے۔ خاقانی نے اپنے کلام میں اس بات پر زور دیا ہے کہ دنیا میں انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے آجکل کے انسان میں انسانیت کا عنصر ختم ہو چکا ہے اور آجکل کا انسان دنیاوی کھیل تماشے میں ڈوبا ہوا ہے مادیّت عام ہو چکی ہے انسان انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گر چکا ہے حیوانیت عام ہو چکی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم سب کو بیدار ہونے کی ضرورت ہے کہ کونسی وجہ ایسی ہے جس کی وجہ سے موجودہ دور کا انسان دنیا کو ہی اپنا سب کچھ قرار دیتا ہے اور دنیا کو حاصل کرنے میں ہی اپنی ساری کاوشوں کو اور اپنے جدوجہد کو قربان کر دیتا ہے۔ علاّمہ اقبال نے خاقانی کی اس فکر کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ اپنے کلام میں اسطرح کے مضامین کو اپنے شعری سلسلے کی کڑی بھی بنا دیا ہے۔ اور خاص طور پر خاقانی

کے اس نقطے کو کہ دنیا میں ابلیسیت تو باقی ہے اور آدمیّت ختم ہو چکی ہے پر خاص توجّہ دی ہے۔ چنانچہ اقبال فرماتے ہیں:

خاموش ہے عالمِ معانی کہتا نہیں حرفِ 'لن ترانی'
پُوچھ اُس سے یہ خاک داں ہے کیا چیز ہنگامۂ این وآن ہے کیا چیز
وہ محرّمِ عالمِ مکافات اک بات میں کہہ گیا ہے سو بات
خودبویی چنین جهان توان بُرد که ابلیس بماند و بوالبشر مُرد! ۳۷

**مولانا جامی، عراقی ہمدانی اور اقبال**

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اقبال بہت سے فارسی شاعروں سے متأثر تھے اسطرح اقبال مولانا جامی اور عراقی ہمدانی کی شخصیت اور کلام سے بھی بے حد متأثر تھے چنانچہ علاّمہ اقبال نے ان دنوں فارسی شاعروں کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

گہی شعرِ عراقی را بخوانم گہی جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگ عرب را شریکِ نغمہ ہای ساربانم ۳۸

علاّمہ اقبال کی شخصیت اور شاعری کی شہرت اور مقبولیت صرف برصغیر تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ کلامِ اقبال کی کوئی سرحد نہیں تو لایق اور بجا ہے۔ عرب وعجم، مشرق ومغرب بلکہ ہر قوم نے کلامِ اقبال کو نہ صرف سراہا بلکہ بے حد استفادہ بھی کیا ہے اور شہرت ومقبولیت کا سب سے زیادہ حصّہ برصغیر کے بعد ایرانیوں کے حصّے میں آیا اور اس کی شاخیں دور دور تک دنیا میں جہاں کہیں بھی فارسی بولنے والا موجود ہے وہاں تک اس کی جڑیں مضبوط و مستحکم ہیں دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر کے بعد فارسی دنیا نے علاّمہ اقبال کی شہرت ومقبولیت کو عام کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ کیونکہ علاّمہ اقبال کا زیادہ کلام اُردو کے بجائے فارسی زبان میں ہی ہے۔ آج ایران میں شاعرِ مشرق علاّمہ اقبال کسی ایرانی شاعر کی طرح مشہور ومقبول ہے۔ وہاں کے دانشور اور ناقدین حضرات نے علاّمہ اقبال کے فکروفن پر گراں قدر کتابیں اور مقالات لکھے اور معتبر اور جیّد شاعروں نے علاّمہ اقبال کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ملک الشعراء بہار، ڈاکٹر سعید نفیسی، علاّمہ دھخدا، منوچہر طالقانی، صادق سرمد، عباس فرات، ڈاکٹر لطف علی صورتگر، احمد گلچین معانی، امیر شفائی نوا، ڈاکٹر قاسم رضا، علی خدائی اور ادیب برومند جیسے مشہور فارسی شعراء کے اسماء گرامی بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ ملک الشعراء محمّد تقی بہار نے بہت ہی بہترین انداز میں مندرجہ ذیل الفاظ میں علاّمہ اقبال کی شخصیت، عظمت اور مقام کا اقرار کیا ہے:

ہیکلی گشت از سخن گویی بیا گفت، کل الصید فی جوف الفرا

شاعران گشتند جیشی تارومار وین مبارز کرد کارِ صد سوار

این سلامی می فرستم سوی یار بی ریا تر از نسیم نوبہار ۳۹

ڈاکٹر احمد علی رجائی ایک ایرانی محقق اور دانشور رہے جو کہ اقبال کے کلام سے بہت ہی زیادہ متأثر تھا انہوں نے کلامِ اقبال کا بغور مطالعہ کیا اور کہتے ہیں کہ:

''اقبال ایک نودریافت براعظم کی مانند ہے جس میں کتنی ہی دلآویز اور قابلِ غور چیزیں ہنوز بحث طلب ہیں۔''

علی صادق سرمد کا شمار بھی ایران کے اچھے اقبال شناس شعراء میں ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

اگرچہ مرد بمیرد بگردشِ مہ وسال نمردہ است ونمیرد محمّد اقبال

شروع شروع میں ایران کے اور فارسی دنیا کے کچھ حضرات نے اقبال کی فارسی پر اکافی عتراضات اور اشکالات جتائے تھے کیونکہ علاّمہ اقبال کی مادری زبان فارسی نہیں تھی بعد میں آگے چل کر اقبال کی روش اور طرز نے ایسی دھوم مچادی کہ فارسی ادبی دنیا میں ہرطرح اقبال کی داد وتحسین سنایی دیتی تھی اور ہرطرف کلام اقبال کے فارسی حصّے کو سینوں سے لگایا جاتا تھا۔اسی سلسلے میں ایران کے ایک مشہور نقاد داؤ دشیرازی نے تو اقبال سے متعلق یہاں تک لکھ دیا کہ:

''اقبال سبک ومکتب جدیدی درشعرِ فارسی تأسیس کردہ کہ حقا باید سبک اورا ''سبک اقبال'' نامید وقرنِ ادبی حاضرہ را باید بنامِ نامِ اومزیّن ساخت''

ترجمہ: اقبال نے جدید دور کی فارسی شاعری میں ایک نئے اسلوب بیان کی بنیاد رکھی۔حق تو یہ ہے کہ اس اسلوب بیان کو'سبک اقبال' کے نام سے یاد کرنا چاہئے اور آج کے ادبی عہد کو اقبال کے نامِ نامی سے موسوم کرنا چاہئے۔''

اسی طرح علاّمہ اقبال پر فارسی زبان میں بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس مقالے میں ان سب کی فہرست پیش کرنا نہ ممکن ہے اور نہ ہی مناسب۔البتہ بیسویں صدی کے ایک معروف ومشہور اور نامور ایرانی دانشور ڈاکٹر علی شریعتی نے بھی علاّمہ اقبال پر ایک بہت ہی عمدہ اور شاہکار کتاب ''اقبال مصلحِ قرنِ آخر'' کے نام سے لکھی ہے۔

### نتیجہ گیری

علاّمہ محمّد اقبال برصغیر ہندو پاک کے بڑے فارسی شاعروں کے صفِ اوّل کے برجستہ اور برگزیدہ شاعر ہے جن کی اہمیّت اور

مقام برصغیر، ایران اورادبی دنیا میں کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں ہے۔تقابلی ادب کے میدان میں ان کا شمار عظیم شخصیات میں ہوتا ہے۔نتیجتاً اقبال عظیم اور مستند ہندوستان کا، ایران کا اور عالم اسلام کا ایک علمی اور متحرّک نمایندہ ہے۔آپ نے کئی بار کشور شریفِ ایران کا براہِ راست نام لیا ہے اوراس کے علاوہ سرزمین ایران کے برجستہ اور برگزیدہ شعراء کا بڑے احترام سے نام لیا ہے۔اگر حکیم فردوسیؔ نے شاہنامہ لکھ کر فارسی زبان کا احیاء کیا ہے تو وہی علاّمہ اقبال نے اگر چہ فارسی کے عظیم المرتبت شعراء کی نظموں کے زیرِ اثر جدید دور میں فارسی زبان کو نہ صرف روشن کیا بلکہ اپنے کلام کے ذریعے اس کی کامیاب تشہیر بھی کی۔اقبال کی تعلیمات کبھی تمثیلوں اور حکایات کی صورت میں ہوتی ہیں اور کبھی ان کے روحانی سفر کے دوران جن کا اظہار مختلف لوگوں کی تخلیقات میں ہوتا ہے۔اقبال کے افکار ونظریات کا نتیجہ مشرقی فلسفہ وتصوّف اور مغربی تہذیب پر غور کرنے کے بعد اور جو علم انہوں نے سیکھا تھا اس سے ایک خاص فلسفہ پیدا ہوا۔لہٰذا اگر ہم انہیں ایک مفکّر مقرر مانیں اور تسلیم کریں جس نے زندگی کے بارے میں سوچا اور اپنی قوم کو زندگی کا سبق سکھایا تو یہ غلط بیانی نہیں ہوگی۔اس مقالے میں راقم نے کلام اقبال پر چند فارسی شعراء کے اثرات کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ علاّمہ اقبال فارسی زبان کے عظیم المرتبت شعراء اور انکے کلام سے بے حد متأثر تھے۔اس کا اعتراف علاّمہ نے خود اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔

### منابع وماخذ


۱۔علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (اسرارِ خودی، تمہید) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۱۱-۱۰

۲۔علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (جاویدنامہ) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۳۶۷

۳۔علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (زبورِ عجم) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۱۵۴

۴۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (اسرارِ خودی، تمہید) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۱۱

۵۔ایضاً ص۔۸

۶۔ایضاً،ص۔۸

۷۔ایضاً،ص۔۸

۸۔علامہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (ارمغان حجاز،حضورِ رسالت،قسمت۲) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۴۵۱

۹۔ علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (پس چہ باید کرد ای اقوام شرق،بخوانندۂ کتاب) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۳۸۸

۱۰۔ علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (اسرارِ خودی، اسرار و رموز) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۴

۱۱۔ علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (پیامِ مشرق، می باقی) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۲۵۱

۱۲۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (زبورِ عجم) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۱۳۲

۱۳۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (گلشن راز جدید، بندگی نامہ) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۱۸۱

۱۴۔مولانا رومی،مثنوی معنوی دفترِ پنجم،تایپ و تصحیح از نسخۂ کلالہ خاور،توسط حسین کرد،ص۔۶۸۹

۱۵۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اقبال اُردو، ناشر پروفیسر شہرت بخاری ناظم اقبال اکادمی لاھور پاکستان، سالِ اشاعت ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۱۔۱۴۱۰ھ، تعداد نسخہ۔۳۵۰۰،مطبع۔استقلال پریس لاھور،ص۔۳۶۳

۱۶۔ مصلح الدّین سعدیؔ،کلیاتِ سعدیؔ بہ تصحیح محمّد علی فروغی، چاپ اوّل: ۱۳۸۵،تعداد نسخہ: ۱۵۰۰۰،انتشارات ہرمس تہران خیابان ولی عصر، بالاتر از میدان نک،شمارہ ۱۳۳۷،ص۔۳۱۳

۱۷۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (پس چہ باید کرد ای اقوامِ شرق، در اسرارِ شریعت) مولانا اقبال لاھوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانہ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ص۔۴۰۲

۱۸۔ مصلح الدّین سعدیؔ، کلیاتِ سعدیؔ بہ تصحیح محمّد علی فروغی، چاپ اوّل: ۱۳۸۵، تعداد نسخہ: ۱۵۰۰۰، انتشارات ہرمس تہران خیابان ولی عصر، بالاتر از میدان نک، شمارہ ۱۳۳۷، ص۔۳۱
۱۹۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (ارمغانِ حجاز، حضورِ عالمِ انسانی) مولانا اقبال لاهوری بہ تصحیح و اهتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۴۷۱
۲۰۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (جاوید نامہ) مولانا اقبال لاهوری بہ تصحیح و اهتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۳۰۸
۲۱۔ مصلح الدّین سعدیؔ، کلیاتِ سعدی (گلستانؔ) بہ تصحیح محمّد علی فروغی، چاپ اوّل: ۱۳۸۵، تعداد نسخہ: ۱۵۰۰۰، انتشارات ہرمس تہران خیابان ولی عصر، بالاتر از میدان نک، شمارہ ۱۳۳۷، ص۔۴۹
۲۲۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (اسرارِ خودی) مولانا اقبال لاهوری بہ تصحیح و اهتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۲۲
۲۳۔ مصلح الدّین سعدیؔ، کلیاتِ سعدیؔ بہ تصحیح محمّد علی فروغی، چاپ اوّل: ۱۳۸۵، تعداد نسخہ: ۱۵۰۰۰، انتشارات ہرمس تہران خیابان ولی عصر، بالاتر از میدان نک، شمارہ ۱۳۳۷، ص۔۶۵۹
۲۴۔ مصلح الدّین سعدیؔ، کلیاتِ سعدی (گلستانؔ) بہ تصحیح محمّد علی فروغی، چاپ اوّل: ۱۳۸۵، تعداد نسخہ: ۱۵۰۰۰، انتشارات ہرمس تہران خیابان ولی عصر، بالاتر از میدان نک، شمارہ ۱۳۳۷، ص۔۲۵۲
۲۵۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (اسرارِ خودی) مولانا اقبال لاهوری بہ تصحیح و اهتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۳۸
۲۶۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (جاوید نامہ) مولانا اقبال لاهوری بہ تصحیح و اهتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۳۶۸
۲۷۔ علاّمہ محمّد اقبال، کلیاتِ اشعارِ فارسی (ارمغانِ حجاز) مولانا اقبال لاهوری بہ تصحیح و اهتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی، چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰، تعداد پانچ ہزار نسخے، چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ص۔۴۳۶
۲۸۔ حکیم ناصر خسرو، دیوانِ ناصر خسروؔ، تنظیم و نمونہ خوانی و نظارتِ جہانگیر منصور، چاپ اوّل: ۱۳۷۳، مقدّمہ: سیّد حسن تقی زادہ،

ص۔۲۔۳۷

۲۹۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِفارسی (پس چہ باید کرد ای اقوامِ شرق،اشکی چند بر افتراق ہندیان) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ، ص۔۴۰۴

۳۰۔حکیم ناصرخسرو، دیوانِ اشعار، ترتیب بہ کوشش مہدی سہیلی، چاپ چہارم، چاپ خانہ سپہر تہران، ص۔۵۲۸

۳۱۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (جاوید نامہ، محکمات عالم قرآنی خلافت آدم ) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ،ص۔۳۰۸

۳۲۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (گلشنِ راز جدید) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ،ص۔۱۶۶

۳۳۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (جاوید نامہ ) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش،از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ،ص۔۲۸۱

۳۴۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (گلشنِ راز جدید،سؤالِ ہفتم وجواب ) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ،ص۔۱۷۲

۳۵۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (پس چہ باید کرد ای اقوامِ شرق،سفر بہ غزنی وزیارتِ مزارِحکیم سنایی ) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح واہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی، صحافیی ایرانمہر ،ص۔۴۲۲۔۴۲۱

۳۶۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اشعارِ فارسی (رموزِ بی خودی، درمعنی حریتِ اسلامیہ وسر حادثۂ کربلا) مولانا اقبال لاہوری بہ تصحیح و اہتمام احمد سروش، از انتشاراتِ کتابخانۂ سنایی ،چاپ پنجم تابستان ۱۳۷۰،تعداد پانچ ہزار نسخے ،چاپ احمدی،صحافیی ایرانمہر ، ص۔۷۴

۳۷۔علاّمہ محمّد اقبال،کلیاتِ اقبال اُردو (ضربِ کلیم،خاقانی) ، ناشر پروفیسر شہرت بخاری ناظم اقبال اکادمی لاہور پاکستان، سالِ اشاعت ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۱۔۱۴۱۰ھ، تعدادنسخہ ۳۵۰۰ مطبع۔استقلال پریس لاہور،ص۔۶۳۲